⊙ احمد عبداللہ
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا
⊙⊙ ڈاکٹر غلام عباس گوندل
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، سرگودھا یونیورسٹی (میانوالی کیمپس)، میانوالی

فنونِ لطیفہ اور انسان

Abstract:

Arts are concerned with human emotions. In this regard, aural faculty and visual perceptions are very important. The development and decline of the arts in a country or nation is based on her doctrine. Therefore, we see that certain pieces of arts have evolved rapidly in some nations, or that some arts may be overlooked because of systemic ideas. How this fabrication of human life, emotions and doctrine affects fine arts is described in this article.

Keywords:

Arts Emotions Visual Perception Fabrication Poety Music

فن اور جمالیات:

فنونِ لطیفہ کا تعلق انسان کے محسوسات سے ہے۔ عام طور پر حصولِ مسرت و انبساط ہی فنِ لطیف کا منشا سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے فن کی اہمیت معاشرے میں باوقار مقام حاصل نہیں کر سکتی کہ اس مادی دنیا کے مسائل دیگر ہیں اور یہ تو بھرے پیٹ کی عیاشی ہے کہ جس کے پاس اور کوئی کام نہیں وہ دنیا میں جمالیاتی احساس کی تسکین کے سامان فراہم کرے تاہم یہ فکر کافی سطحی ہے۔ دنیا محض وہ دنیا نہیں ہے جس میں ہم رہتے ہیں بلکہ عقلی اور جذباتی حیوان کے لیے دنیا وہ ہے جس کی تلاش وجستجو ازل سے انسان کے اندر بسی ہوئی ہے اور وہ دنیا کو اس مثالی مرتبے پر لے جانے کے لیے کوشاں ہے۔ اِروِن ایڈمن اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ”جمالیاتی مسرتیں اور فنی تخلیقات ہمارے معاشرے میں اس زندگیِ مطلوب کا پیش خیمہ ہیں جسے قائم ہونا ہے۔ وہ مسرت جو ہمارے معاصر آج حاصل کر رہے ہیں وہ دراصل ان لوگوں کی

مسرت کا سایہ ہے جو تخلیقی کام کر رہے ہیں (اور اس لگن میں انہیں مسرت حاصل ہوتی ہے) تخلیقی کام خود عمل اور نتائج کے اعتبار سے مسرت بخش ہے۔''(۱)

سو یہ مسرت جو فنون لطیفہ سے حاصل ہوتی ہے اور جسے ہر دو فریق، کرنے والا اور دیکھنے، سننے، سمجھنے والا محسوس کرتے ہیں محض وقتی مسرت و انبساط نہیں بلکہ انسانی ذہن میں اس مثالی دنیا کے سفر سے عبارت ہے جس کے لیے خدا نے یہ تجربہ گاہ (دنیا) قائم کی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو فن سے وابستہ دونوں نظریے 1۔ فن برائے فن، 2۔ فن برائے مقصد، اپنی پوری اہلیت سے جلوہ گر ہوتے ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ بہت اہم ہیں کہ ایک موجود جمالیات کا اظہار کرتا ہے تو دوسرا جمالیات کو وجود میں لانے کا محرک بنتا ہے۔ تاہم دونوں ارفع اس وقت ہوتے ہیں جب ان میں بالترتیب ارفع جمالیاتی لطف اور ارفع مقصد پیشِ نظر ہو۔ ورنہ دونوں شہرتِ عام اور بقائے دوام سے محروم ہو جاتے ہیں۔ محمد ہادی حسین کے خیال میں:

''جب فن کار کا منشا محض جمالیاتی لطف پیدا کرنا ہو (یا جب تخلیق فن کار کے لیے مقصود بالذات ہو اور یا اسے اس کی بھی پروانہ ہو کہ دوسروں پر اس کا کیا تاثر ہوگا) تو اس کی تخلیق ایک خالصتاً فنی تخلیق ہوتی ہے اور جس فن کی وہ پیداوار ہوتی ہے اسے فن برائے فن کہتے ہیں اس کے برخلاف جب فن کار کا منشا شعوری اور بنیادی طور پر ایسے جذبات پیدا کرنا ہو جو انسانی زندگی سے اور بالخصوص انسان کی اجتماعی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں تو اس کا فن اس وقت فن برائے زندگی ہوتا ہے۔''(۲)

یوں فنون لطیفہ محض وقتی حظ یا محض جمالیات نہیں ہیں بلکہ انسانی ذہن میں موجود زندگی اور کوائف سے ارفع تاثر قائم کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ لطیف احساسات انسانی ذہن سے کثافتوں کو کھرچ دیتے ہیں یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے مذہب نیکی سکھاتا ہے فرق اس قدر ہے کہ وہاں نیکی باہر سے لاگو کی جاتی ہے اور اس کا حاصل ان دیکھی دنیا سے وابستہ ہوتا ہے اور یہاں نیکی (لطافت) اندر سے ہوتی ہے اور اس کا حاصل خوبصورت دنیا کی طرف ایک چھوٹا سا قدم ہوتا ہے۔ اس لیے فنون لطیفہ کسی قوم کے اجتماعی شعور کے عکاس ہوتے ہیں کہ وہ قوم مجموعی طور پر لطافت کے کس درجے پر ہے۔ تاتاری وحشت و بربریت کی مثال بنے تو یہ ان کا اجتماعی شعور تھا ورنہ ان میں بھی اِکاذُکا ہمدرد دل موجود ہوں گے۔

فنِ لطیف کو نیکی سے منسلک کرنا ایک عجیب بات ہے تاہم انسانی احساسات کا نظام ان فنون سے غذا حاصل کر کے طبعی نیکی کو جس طرح پروان چڑھاتا ہے اس کا مشاہدہ بآسانی ممکن ہے۔ فلسفہ کی ایک اصطلاح ابیقوریت ہے جو فلسفی ابیقورس کے نظریہ خیر کو بیان کرتی ہے۔ وہ لذت کو ہی خیر قرار دیتا ہے جب کہ ہمارے عمومی نظام ہائے اخلاق لذت کو شر سے منسلک کرتے ہیں اس لیے ابیقورس کے اس فلسفے کو سمجھنا چاہیے۔ ابیقورس کے خیال میں:

''لذت کا حصول ہی خیر ہے اور یہی انسان کا مقصدِ حیات ہونا چاہیے لیکن وہ لذات میں فرق کرتا ہے۔ اس کے خیال میں نفسانی لذات گریز پا ہوتی ہیں ان میں مداومت کرنے سے انسان اکتاہٹ اور بےزاری کا شکار ہو جاتا ہے اس لیے دانشمند ذوقی و فکری لذت کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں جو ہمیں فنونِ لطیفہ اور تدبر و تفکر سے میسر آتی ہیں۔ یہ لذات دیرپا ہوتی ہیں اور سادہ زندگی گزارنے سے میسر آتی ہیں۔''(۳)

فکر وفن کی عظمت اس کی لذت کے تسلسل کی وجہ سے ہی ہے، وقت گزرنے کے ساتھ اس میں اضافہ اور ذوق کی بہتری پیدا ہوتی ہے تاہم بعض لوگ تو فن کو محض حصول مسرت وانبساط قرار دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اسے منظّم ہوس رانی قرار دیتے ہیں ایسے بیمار اذہان خوبصورتی کو صرف جنسی اشتعال کا محرک سمجھتے ہیں۔ اِرون ایڈمن کے بقول:

''پیورٹین حضرات نے فنون کو ہوس رانی کا آلہ سمجھا ہے۔ سیاست دان نے اکثر فنون کو خواب ہائے پریشان کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ مہیب خطرات پیدا کرنے کے موجب ہو سکتے ہیں۔ عملی آدمی نے بھی فنون لطیفہ پر ایک اعتراض کیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ اسے فنون کی تخلیقات اور مسرتوں میں بیکار کی تسکین اور خواہ مخواہ کی سعادت نظر آتی ہے۔ دنیا کے مردان کار فنون لطیفہ کو ''منظّم ہوس رانی کی طرف فرار'' کہتے ہیں۔''(۴)

تاہم یہ سارے اعتراض جمالیاتی احساس کی عدم تفہیم، دنیا میں جمالیات کی موجودگی اور انسانی نفسیات پر جمالیات کے اثرات سے بے خبری اور جمالیات کی غلط تفہیم کے باعث ہیں۔ پیورٹین اور ناشائستہ افراد کے اعتراضات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے عملی افراد کے اعتراض پر بھی غور کریں تو بے محل محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس تسکین کو بے کار یا بے جا قرار دیتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ان کی تسکین انسان کو مشین کی طرح بے حس بنا دینے میں ہے اور وہ فن پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ فن سے روٹی نہیں پک سکتی اور دنیا کو فن کی نہیں روٹی کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے بھول جاتا ہے کہ انسان محض روٹی کے لئے زندہ نہیں ہے زندگی کا ایک ارفع تصور انسان کے سامنے ہمیشہ رہا ہے اور اس زندگی کو کھوجنے میں اس نے بے پناہ محنت کی ہے یہ ارفع زندگی مادی ارفعیت اور روحانی ارفعیت ہر دو کے اعتبار سے ہے اور مختلف نظام ہائے فلسفہ جو روحانی ارفعیت کے لیے وجود میں آئے اپنے نظام میں ایسی بے شمار نیکیاں بیان کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کی طرف بلاتے ہیں جس کو اپنا کر انسان، انسانیت کے مدارج کو طے کرتا چلا جاتا ہے اور فن بھی اس راستے میں مدد ومعاون ہے بلکہ یہ نیکی کے احساس کو انسان کے اندر ایک بیج کی طرح بو دیتا ہے جو رفتہ رفتہ نمو پا کر تناور درخت بن جاتا ہے۔ اِرون ایڈمن لکھتے ہیں کہ:

''جہاں تک اہمیت کا تعلق ہے کسی پیورٹین اور عملی انسان اور ناشائستہ افراد کے اعتراضات ایک ہی طرح کے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ فنون اپنی تخلیقات اور مسرتوں میں اس مطلوب زندگی کی صحیح علامتیں ہیں جو معلم اخلاق کے پیش نظر ہیں۔ اُس سعادت کا نشان ہیں جو عملی آدمی وسائل حیات کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''(۵)

فنون لطیفہ کی ایک بہت بڑی اہمیت زندگی میں خوبصورتی کی تلاش اور اس خوبصورتی میں اضافہ ہے۔ اس لیے حسن و خوبصورتی کے اعتبار سے فنون لطیفہ کا منصب بہت اہم ہے محمد ہادی حسین لکھتے ہیں:

''فنون لطیفہ جمالیاتی ذوق کی تسکین کر کے انسانی زندگی میں رنگا رنگی دلچسپی، خوش گواری، ہم آہنگی، توازن اور زیب وزینت پیدا کرتے ہیں۔ یہ سب کی سب کلچر کے نقطہ نگاہ سے اہم قدریں ہیں جذباتی، فکری، ذہنی، اخلاقی، روحانی قدریں۔ فنون لطیفہ کی تخلیقات بجائے خود حسین ہوتی ہیں اور دنیا میں حسین چیزوں کا جو فطری سرمایہ ہے اس میں قابل قدر اضافہ کرتی ہیں۔ خود حسن

حقیقت کے پہلو بہ پہلو کائنات کی ایک بنیادی قدر رہے۔اس قدر کے مادی مظاہروں میں اضافہ کر کے فنون لطیفہ کائنات کے مقصد کی تکمیل میں ایک نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔حسین چیزیں تخلیق کرنے کے علاوہ فنون لطیفہ انسان میں کائنات کے حسن کا شعور پیدا کرتے ہیں اور اس طرح فطرت کے ساتھ محبت اور موانست کے رشتے میں منسلک کر دیتے ہیں۔''(٦)

فنون کی حمایت ومخالفت:

فن کی مخالفت اول اول افلاطون کی طرف سے ہوئی جس نے اپنی مثالی ریاست میں شاعر کو جگہ دینے سے انکار کر دیا۔حالانکہ افلاطون خود پیدائشی شاعر تھا تاہم اس نے اپنی تخلیقات اپنے خیالات کے باعث جلا دیں۔ارون ایڈمن لکھتے ہیں:

''افلاطون نے جو فلسفیوں میں سب سے زیادہ شاعرانہ مزاج رکھتا تھا سب سے پہلے اخلاقی بنا پر اصلاً شعرا کو ہدف انتقاد ٹھہرایا اور پھر مصوروں اور موسیقاروں کو اس نے یہ کہا (اور معلمین اخلاق اب تک یہی کہتے چلے آ رہے ہیں) کہ فن انسان کے ضبط ونظم فکری کو انتشار میں تبدیل کر سکتا ہے اور اعمال کو بھی۔شاعر جو خواب تخلیق کرتا ہے ان کی بنا پر انسان زندگی کے لزوم و جبر سے کہ حقیقت سے خاص ہیں، نا آشنا ہو جاتے ہیں اسی طرح موسیقی کی کومل سُریں انسان کے سپاہیانہ جوش کو دبا دینے کا باعث بن سکتی ہیں۔مصور جو حیرت انگیز نقالیاں کرتے ہیں انہیں دیکھ کر انسان اشکال واقعی سے بے نیاز ہو کر خیالی دنیا میں پہنچ سکتا ہے۔''(٧)

افلاطون شاعر کے حوالے سے جو کہتا ہے وہ ملاحظہ کریں:

''کیوں کہ شاعر ایک روشنی ہے اور پرواز کرنے والی پاک چیز ہے۔وہ اس وقت تک تخلیق نہیں کرتا جب تک الہامی قوت اس پر غالب نہ آ جائے اور وہ اپنے حواس زائل نہ کر دے اور عقل یکسر غائب نہ ہو جائے۔جب تک وہ عالم جذب میں نہیں آ جاتا وہ بے قوت رہتا ہے اور اپنے الہام ربانی کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتا۔وہ بڑے شاندار الفاظ ہوتے ہیں جن میں شاعر انسان کے عمل کو پیش کرتے ہیں لیکن یہ الفاظ اصول فن کی مدد سے ان کے اندر پیدا نہیں ہوتے صرف شاعر کی دیوی ان میں الہامی قوت کا صور پھونکتی ہے۔اس عالم جذب میں ان میں سے کوئی کیف آور، پر جوش بھجن لکھتا ہے کوئی حمد یہ گیت لکھتا ہے کوئی کورس تخلیق کرتا ہے،کوئی ایپک لکھتا ہے اور کوئی ''آئی امبک'' شعر لکھتا ہے۔جو ایک صنف میں اچھا ہوتا ہے وہ دوسری صنف پر قدرت نہیں رکھتا کیوں کی شاعر فن کی مدد سے نہیں بلکہ آسمانی قوت سے نغمہ سرا ہوتا ہے۔''(٨)

افلاطون نے شاعر کے حوالے سے جو کہا وہ شاعر یا شاعری کو کم تر نہیں بلکہ ارفع اور برتر بناتا ہے اور شاعر کو عظیم منصب پر فائز کرتا ہے تاہم وہ چونکہ ایک فلسفی تھا اس لیے شاعری کی بے خودکیفیت پر معترض ہے کیونکہ اس میں فکر کو دخل نہیں بلکہ ماورائی قوت شاعر پر اثر انداز ہو کر اس سے تخلیق فن کرواتی ہے اس لیے فن انسانی فکر میں حارج ہوتا ہے۔جب کہ افلاطون کے خیال میں معلم اخلاق اس کام میں کامیاب ہے کہ سوچ سمجھ کر نظام خیال وضع کرتا ہے۔پھر افلاطون شاعر کو یکسر اپنے ریاستی

خاکے سے نکال باہر نہیں کرتا بلکہ انہیں رعایت بھی دیتا ہے گویا وہ ان کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا۔

> ''شاعروں کو فاتحین کی تعریف کرنے کی اجازت دی جائے۔ ہر شاعر کو نہیں صرف ان شاعروں کو جو پچاس سال سے کم عمر کے نہ ہوں اور وہ ایسے نہ ہوں، خواہ ان کی شاعرانہ وموسیقانہ قوتیں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، جنہوں نے کوئی عظیم کام انجام نہ دیا ہو۔''(۹)

افلاطون کی مندرجہ بالا فکر اصل میں شاعری یا فن سے فرار نہیں، بلکہ فن پر اعتراض سے زیادہ یہ فن کے منصب کا تعین ہے۔ اس لیے وہی شاعری جو فکری انتشار کا سبب بننے کے باعث معتوب ٹھہرائی گئی، ایک خاص مقصد کے لیے اسے جائز قرار دیا گیا، موسیقی کے باب میں بھی اس نقطہ نظر کے حاملین کی رائے ہے کہ یہ سپاہیانہ جوش کو دبا دیتی ہے لیکن جنگوں کی تاریخ گواہ ہے کہ سپاہیانہ جوش کو بڑھانے کے لیے بھی موسیقی ہی کو استعمال کیا گیا۔ یوں فن پر افلاطون کا اعتراض فن پر اعتراض کی بجائے فن کے منصب پر اعتراض سمجھا جائے تو اس باب میں بحث آج بھی موجود ہے اور فن برائے فن، فن برائے مقصد کے نظریات اسی بحث کے ترجمان ہیں۔ افلاطون سے قبل ہومر نے بھی شاعری کو دیوتاؤں کی قوت سے منسوب کیا تھا تاہم وہ شاعری کے نتائج مثبت بتاتا ہے۔ جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''ہومر (۹-۲۱ صدی قبل مسیح) کے نزدیک شاعری کا مقصد ''لطف'' ہے جو ایک خاص قسم کے جادو سے پیدا ہوتا ہے۔ ہومر شاعرانہ قوت کو الہامی قوت کہتا ہے اور اُسے دیوتاؤں سے منسوب کرتا ہے جن کی مدد اور دعا سے وہ اپنی نظمیں تخلیق کرتا ہے۔ ایک جگہ وہ اکیلز کی ڈھال کے ذکر میں لکھتا ہے کہ ہل کے پیچھے کی زمین کالی معلوم ہوتی ہے اور اس زمین کی طرح جس پر ہل چل چکا ہو، حالانکہ وہ سونے کی بنی ہوئی تھی اور یہ صناعی کا کمال تھا، ہومر کی اس بات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ شاعری کا اصل کام کیا ہے؟ وہ کالی زمین جوتتا ہے مگر اس کے ہل سے جو زمین نکلتی ہے وہ سونے کی ہو جاتی ہے۔ تخلیق بھی ایک ایسا ہی عمل ہے جو معمولی چیزوں کو غیر معمولی اور اصل سے زیادہ حسین بنا دیتا ہے۔ تخلیق کی خوبی یہ ہے کہ وہ تمام تجربے کو دلکش بنا دیتی ہے۔''(۱۰)

معلم اخلاق سینٹ آگسٹائن نے کہا کہ فن انسان کو ہوس رانی کی ترغیب دیتا ہے جدید دور کے مفکر ٹالسٹائی نے بھی فنون لطیفہ پر ہوس رانی کا اعتراض لگایا۔ ارون ایڈمن لکھتے ہیں:

> ''ٹالسٹائی نے بہ کمال بلاغت اور بہ انتہائے شدت، لچک کھانے کے بغیر اسی رسمی خوف کا بیان کیا کہ فنون لطیفہ ہوس رانی کا آلہ ہیں لیکن فن سے محض اس لیے خوف کھانا کہ اس کے موضوع کا جز یا اس کی کشش کا کوئی پہلو جنسی ہے ایسے محرک سے خوف کھانا ہے جسے عصر حاضر کی بصیرت کسی طرح شبے یا خوف کی نظر سے نہیں دیکھ سکتی۔ جذبات اور فکر کی وہ پاکیزگی جو اکثر اخلاقی دبستانوں کا منشا ہے احساسات ہی سے شروع ہوتی ہے اور فنون بھی بدرجہ اولیٰ حسی تجربات کی لطافت اور پاکیزگی کے خواہاں ہوتے ہیں۔''(۱۱)

یہ تمام لوگ جو اصلاً معلم اخلاق ہی تھے جمالیات کے زیر اثر انسان کو اخلاقی خرابی کے راستے پر گامزن سمجھتے تھے ان کا خیال یہ

تھا کہ خوبصورت اشیا کو دیکھ کر بنانے والے کی طرف کم ہی دھیان جاتا ہے اور خوب صورتی انسان کے پاؤں میں لغزش پیدا کر سکتی ہے تاہم تمام معلمین اخلاق فن کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں اور دبے لفظوں میں فن کی ارفعیت کا اقرار کرتے ہیں۔

گزشتہ تمام کلام کا حاصل یہ ہے کہ تخلیق، فن، شاعری انسانی زندگی میں مزید خوبصورتی لانے اور اسے ارفع تر بنانے میں معاون ہوتے ہیں یہ صرف وقتی مسرت کا باعث نہیں ہوتے بلکہ زندگی کے دھارے میں ساتھ چلتے ہوئے اس کی ارفعیت میں حصہ لے کر مسلسل لطف کا باعث بنتے ہیں۔ یہ محض حواس کی تسکین کا معاملہ بھی نہیں بلکہ ایک مرتب تہذیب کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی کو متنوع بنائے۔ احساسات سے عاری ہونے اور احساس کے حامل ہونے کو ارون ایڈمن نے یوں بیان کیا:

> ''احساس کے نقطہ نظر سے مردہ ہونا گویا واقعی موت کلّی کی طرف بڑھنا ہے۔ تاثراتی ردعمل میں نفاست و نزاکت پیدا کرنا گویا زندگی میں نزاکت اور نفاست پیدا کرنا ہے۔ جن لوگوں کے حواس خمسہ زندہ اور توانا ہوتے ہیں روحانی دنیا کی سیر بھی وہی کرتے ہیں بجائے ان لوگوں کے جو اس دنیا کے رنگ سے ہی آشنا نہیں جہاں ان کی روح مقیم ہے۔''(۱۲)

فن کے حامی اور مخالفین کی گفتگو پر نظر کی جائے تو قطبین کے درمیان کی راہ درست دکھائی دیتی ہے۔ فن کے حامی کسی تخلیق پر کوئی اخلاقی قدغن برداشت نہیں کرتے۔ اخلاق کے علمبردار فن کو سرے سے قبول نہیں کرتے اور اسے سفلی قرار دیتے ہین۔ ان دو کے درمیان ایک تیسرا گروہ ہے جو فن کو فی نفسہ برا نہیں کہتا، تاہم فن سے اخلاق اور نیکی کی ترغیب کا مطالبہ کرتا ہے لیکن اس میں بھی ایک دقت ہے کہ فن کار عام طور پر آفاقی ذہن کا حامل ہوتا ہے جب کہ اخلاق اور نیکی کے تصورات علاقائی اعتبار سے زیادہ اہم ہوتے ہیں اس لیے فن کار کسے نیکی سمجھے اور کسے نہیں یہ بھی ایک اہم سوال ہے۔

حفیظ جالندھری نے لکھا:

یہ خوب کیا ہے، یہ زشت کیا ہے جہاں کی اصلی سرشت کیا ہے
بڑا مزہ ہو تمام چہرے اگر کوئی بے نقاب کر دے

تو یہ الجھن فن کار کے سامنے بہر حال ہوتی ہے وہ اگر معاشرے کے رائج اخلاق اور نیکی کا معیار سامنے رکھے تو آفاقیت سے محروم شہ کار تخلیق کرے گا اس لیے ہادی حسین کی یہ بات لائق توجہ ہے فن کار کے لیے اپنے معاشرے اور زمانے کے اخلاقی معیاروں سے بھی اونچا ایک اخلاقی معیار ہے اور وہ یہ کہ اسے اپنے فنی ضمیر کی اطاعت اور اپنی فنی بصیرت کے ساتھ وفاداری کرنی چاہیے(۱۳)۔

فنونِ لطیفہ کے انسانی زندگی پر اثرات:

زندگی کو ایک بہتی ندی کہا جاتا ہے جو متاثر ہونے اور متاثر کرنے کی صلاحیت کی حامل ہے جیسے ایک ندی پہاڑی علاقے میں چلتی ہے تو شور و شغب سے بھرپور اچھلتی جھاگ اڑاتی، غصیلے انداز میں پتھروں سے سر پٹک پٹک کر اپنا راستہ بناتی ہے اور جب وہ میدان میں پہنچتی ہے تو وسعتوں میں پھیل کر پرسکون ہو جاتی ہے رفتار دھیمی ہو جاتی ہے اور شور کم۔ یعنی وہ زمین کے سینے پر بہتے ہوئے اس جغرافیائی صورتحال سے متاثر ہوتی ہے اور اسے متاثر کرتی بھی ہے جہاں وہ

رواں ہوتی ہے۔اسی طرح فنون لطیفہ بھی انسانی زندگی سے اپنا خام مواد حاصل کرتے ہیں اور پھر جب اسے لوٹاتے ہیں اور کوئی فن پارہ تخلیق ہوتا ہے تو انسانی تخیل کی پرواز اس میں شامل ہو کے عام درجے سے اوپر اٹھا چکی ہوتی ہے۔

ساحرلدھیانوی لکھتے ہیں:

دنیا نے تجربات وحوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

یہ لوٹایا ہوا مواد خام نہیں ہوتا بلکہ جیسے کچے لوہے کو مختلف مراحل سے گزار کر ایک خوبصورت کارآمد مشین کی شکل دے دی جاتی ہے اسی طرح معاشرے سے حاصل کردہ خام مواد انسانی تخیل میں سے گزر کر ایک ارفع شان سے ظہور پذیر ہوتا ہے اور انسانی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔فن کے انسانی زندگی پر جو اثرات ہوتے ہیں ان کو جاننے سے قبل یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ فنون لطیفہ سے بالخصوص کون کون سے حواس متاثر ہوتے ہیں۔اروِن ایڈمن کہتے ہیں:

''فنون لطیفہ میں تجربے کی گہرائی یوں پیدا ہوتی ہے کہ محسوسات کی رفتار روک کر انہیں ایک مقام پر قائم کر کے دکھایا جاتا ہے۔کسی تصویر کے رنگ اور صورتیں دیکھ کر یا کسی وائلن کی غنائی کیفیت سے متاثر ہو کر ہمارا بدن جیسے کپکپا اٹھتا ہے۔دوسرے حواس بھی جمالیاتی طور پر کارفرما ہوتے ہیں لیکن لامسہ، ذائقہ اور شامہ تینوں باصرہ کی طرح ہمارے تصرف میں نہیں ہوتیں نہ ان قوتوں کو بآسانی فنون لطیفہ کے کوائف کا ذریعہ اظہار بنایا جاسکتا ہے کہ یہ قوتیں حیاتیات کے عملی پہلو سے بہ وجہ احسن مربوط ہیں۔یوں کہنا چاہیے کہ فنون لطیفہ بیشتر باصرہ اور سامعہ سے کام لیتے ہیں کہ یہ حواس نہایت نفیس ہیں۔''(۱۴)

اب یہ طے ہونے کے بعد کہ فنون لطیفہ میں بیشتر استعمال ہونے والے حواس سامعہ اور باصرہ ہیں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فنون لطیفہ کے انسانی زندگی پر کیا اثرات ہوتے ہیں گزشتہ میں پیش کیا گیا شعر زیادہ اظہار اسی بات کا کرتا ہے کہ فنکار زندگی سے متاثر ہو کر فن پارہ تخلیق کرتا ہے لیکن یہ فن پارہ حظ اندوزی کے علاوہ زندگی کے کوائف پر اثر انداز بھی ہوتا ہے۔اقبال کہتے ہیں:

شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اُس کے فیض سے مزرعِ زندگی ہری

تاہم اقبال برصغیر کے فنکاروں کے شاکی رہے کہ ان میں وہ ہنر نہیں جو ان کی خواہش کے مطابق انسانی زندگی کو متاثر کرے۔ضرب کلیم میں شامل نظم ہنروران ہند ملاحظہ کیجئے:

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا
ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار
موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں
زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بے زار

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعرو صورت گر و افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

گویا فن کا منصب مقامات بلند کا بیان ہے اور اگر فن ان سے انحراف کرتا ہے تو لائق تعریض ہے۔ اقبال فن کے اثرات سے کامل آگاہی رکھتے تھے اس لیے انہوں نے اپنے فن کو ایک خاص مقصد کے لیے وقف کر دیا۔ البتہ فن جسمانی تقاضوں کی تسکین کرتا ہے یا روح کو ارفعیت آشنا کرتا ہے یہ اقبال کا نظریہ فن تھا اور وہ دوسرے نقطہ نظر کے قائل تھے۔ ضربِ کلیم میں شامل نظم ''فنونِ لطیفہ'' ملاحظہ ہو:

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصود ہنر سوزِ حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا
جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرہ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

طولِ کلام سے گریز کرتے ہوئے عرض ہے کہ ضرب کلیم میں مندرجہ ذیل نظمیں دیکھ لیجئے۔ ''جلال و جمال''، ''مصور''، ''سرودِ حلال''، ''سرودِ حرام''، ''شعرِ عجم''، ''موسیقی''، ''رقص و موسیقی''، ''رقص'' یہ تمام نظمیں اقبال کے نظریہ فن کی عکاس ہیں اور اس کثرت سے فن کے منصب پر لکھنا اس بات کا غماز ہے کہ اقبال انسانی زندگی پر فن کے گہرے اور دور رس اثرات سے بخوبی آگاہ تھے اور فن کار کو جگر کاوی کی تلقین کرتے تھے تا کہ وہ معاشرے کی درست تعمیر میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ فن کا معاشرے کے لیے یہ منصب قدیم سے انسان کے پیش نظر رہا ہے۔ فن برائے فن اور فن برائے مقصد انسان کے قدیم نظریے ہیں جو فن کی افادیت کے حوالے سے اس کے سامنے رہے ہیں اور ہر دور میں دونوں نظریات کے حاملین موجود رہے ہیں اس کو باقاعدہ بحث کی صورت جدید دور نے دی ہے تاہم عمل کے اعتبار سے قدیم دور کے فن کار بھی ان پر عامل رہے ہیں۔ صاحبزادہ عبدالرسول لکھتے ہیں:

''مصری آرٹ کے اغراض و مقاصد سیاسی و معاشرتی حالات کے ساتھ بدلتے رہے۔ بحیثیت مجموعی یہ آرٹ اجتماعی قومی زندگی کی امنگوں کا ترجمان تھا۔ مصری آرٹ فن برائے فن کے نظریہ کی

> نمائندگی نہیں کرتا تھا اور نہ ہی وہ کسی مسئلہ پر ایک فرد کے ذاتی ردعمل کا ظہار تھا۔اس کے باوجود کبھی کبھی ذاتی جذبات کی ترجمانی مثلاً پھول کے حسن یا کسی خوبصورت چہرے کی شعلہ روئی کا ظہار بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔''(۱۵)

یاد رہے کہ مصری تہذیب اور آرٹ کا زمانہ، جسے وادی نیل کی تہذیب بھی کہتے ہیں 5000 ق م سے 525 ق م تک شمار کیا گیا ہے، آرٹ کے اعتبار سے اسے ابتدائی دور تصور کیا جاتا ہے اس لیے اس قدیم دور کا انسان فن کی معاشرے کے لیے افادیت سے بے خبر نہ تھا، حسن کا دلدادہ ہونے کی حیثیت سے وہ معاشرتی حسن کے لیے فنون کی اہمیت اور استعمال خوب سمجھتا تھا۔ بہت بعد میں پیش کیا جانے والا میتھیو آرنلڈ کا نظریہ کہ ''شعر انتقادِ حیات ہے'' قدیم انسان اس کا عملی اظہار کر رہا تھا۔فن کے انسانی زندگی سے اثر پذیر ہونے اور فن کے انسانی زندگی پر اثر انداز ہونے کی انسانی بصیرت اتنی ہی قدیم دکھائی دیتی ہے جتنی خود انسانی تہذیب۔فن انسان پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے اس سے متعلق محمد ہادی حسین لکھتے ہیں:

> ''فنون لطیفہ کا طریق کار یہ ہے کہ وہ حسی تجربے کی دنیا کا کوئی واقعہ کوئی منظر، کوئی شے، کوئی پہلو لے کر اسے کسی مجسمے، کسی تصویر، کسی نغمے، کسی شعر، کسی ادب پارے یا اسی قسم کی کسی اور تخلیق میں یوں مجسم کر دیتے ہیں کہ اس سے متعلق فن کار کا جو حسی، عقلی اور جذباتی تجربہ تھا وہ دوسرے لوگوں تک ان کی حسی، عقلی اور جذباتی استعداد کے مطابق منتقل ہو جاتا ہے اور جب یہ تجربہ منتقل ہوتا ہے تو دیکھنے سننے یا پڑھنے والے کو ان جذبات کے علاوہ جن کا محرک اصلی شے کا تصور ہوتا ہے (مثلاً خوشی، غم، ہمدردی، رحم، غصہ، نفرت، محبت) اپنی ہی قسم کا ایک لطف جسے جمالیاتی لطف کہتے ہیں محسوس ہوتا ہے۔''(۱۶)

دنیا میں فنون کے ابتدائی نمونے:

مصوری:

انسان کی قدیم ترین پناہ گاہ غار رہے ہیں جن میں وہ موسم کی شدت سے بچتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ یہ غار اس کی سوچ اور اس کے ابتدائی فنکارانہ نقوش بھی اپنے اندر محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔غاروں میں تصاویر کے جو نمونے ملے ہیں ان سے جو تصویری داستان مرتب ہوتی ہے اسے نفیسہ قاسمی نے یوں بیان کیا ہے۔

1۔ Dooding: نرم مٹی میں بننے والے نشان جب انسان کے مشاہدے میں آئے تو غاروں کی دیواروں کی مٹی پر انگلیوں سے لائنیں لگا دیں۔

2۔ Printing: اس میں انسان نے ہاتھوں پر رنگ لگا کر غاروں پر ٹھپے لگائے۔

3۔ Stenciling: ہاتھ دیواروں پر رکھ کر ارد گرد سیاہی پھیر دی گئی۔کئی غاروں میں ایسے نشانات ملے ہیں۔

4۔ Symbols: جانوروں کی تصاویر بنا کر ان کے ساتھ نقطہ، چوکور، شطرنج وغیرہ طرز کے نشانات بنائے گئے (یہ علامتی انداز تصویری رسم الخط کی ابتدا ہو سکتا ہے: راقم)(۱۷)

غاروں میں ایسی تصاویر بھی ملی ہیں جن میں جانوروں کے شکار کے منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ایسی تصویر سے یہ خیال عام ہے کہ انسان نے ابتدائی تصویریں جادوئی مقاصد کے لیے بنائیں تاہم اگر نفسیات کے پس منظر میں اس انسانی عمل کو دیکھا جائے تو لگتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو شکار کے مقصد کے لیے تیار اور زیادہ کامیاب بنانے کے لیے تصویری عمل سے گزر رہا تھا یہ تصویریں جن میں زیادہ تر انسان جانوروں کی تصویر کشی کرتا تھا اور انہیں شکار کرتے دکھاتا تھا اس کے مشاہدے اور تخیل کی مشترکہ پیش کش تھی ان میں وہ خود کو اور دوسرے دیکھنے والوں کو جانوروں سے آگاہی اور انہیں شکار کرنے کے طریقے سکھا رہا تھا تاہم چونکہ سیکھنے کے اس عمل سے شعوری طور پر آگاہ نہیں تھا اس لیے اسے جادو سے موسوم کرتا کہ اگر اس تصویر کو دیکھ کر شکار کرنے جایا جائے تو شکار میں کامیابی ہوتی ہے۔انسان کی ابتدائی تصویری کاوشیں آج سے 32 ہزار سال قبل مسیح کی ہیں۔ذوالفقار ارشد گیلانی لکھتے ہیں:

> ''جنوب مشرقی فرانس میں شوویٹ غاروں میں انسان نے دیواروں پر جانوروں کی تصویریں بنانی شروع کیں۔32 ہزار قبل مسیح میں بنائی جانے والی غالباً دنیا کی پہلی تصاویر ہیں۔بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ غاروں میں تصاویر کاری کا یہ فن جادوئی یا مذہبی مقاصد کے لیے تھا۔کچھ کے خیال میں یہ تصاویر مغربی یورپ میں اور یگ نیشن کلچر سے وابستہ افراد نے 40 ہزار قبل مسیح میں بنائیں۔''(۱۸)

> ''غاروں کے ساتھ ساتھ چٹانوں پر بھی تصویر کشی کا آغاز ہو گیا تھا۔آسٹریلیا اور تسمانیہ میں چٹانوں پر تصویر کشی کا آغاز 30 ہزار قبل مسیح میں ہوا۔ یہ تصویریں دائروں، ہلالی شکلوں، لکیروں، انسانی قدموں اور جانوروں کے نقوش کی صورت میں تھیں۔اسی اثنا میں انسان نے دیواروں پر کندہ کاری بھی شروع کی جسے پیلیو لیتھک افراد سے منسوب کیا جاتا ہے۔''(۱۹)

> ''3800 قبل مسیح میں چینیوں نے برش سے تصویریں بنانے کا آغاز کیا......آرائشی برتنوں کو بھی فنونِ لطیفہ میں شمار کیا جاتا ہے۔برتنوں پر آرائش کے ابتدائی نمونے 6500 قبل مسیح کے بتائے جاتے ہیں جو میسوپوٹیمیا میں دریافت ہوئے اور یہ فن ترقی کرتا کرتا 4700 قبل مسیح میں اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔''(۲۰)

> ''موہن جو دڑو میں منقش برتن بننے کا آغاز 2500 قبل مسیح میں ہوا۔''(۲۱)

موسیقی:

موسیقی کا کائنات سے رشتہ اتنا ہی پرانا ہے جتنی یہ کائنات۔کائنات میں پیدا ہونے والی پہلی آواز یقینی طور پر کسی نہ کسی ردھم میں ہوگی۔یوں تو فنونِ لطیفہ کا تعلق ہی فطرت سے ہے تاہم آواز کا فطرت سے تعلق تو ظاہر و باہر ہے۔پانی کے جھرنے جس صوتی آہنگ کو جنم دیتے ہیں وہ پرندوں کی آوازوں سے مل کر آرکسٹرا کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس میں درختوں کے پتے داد و تحسین بھری تالیوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور کائنات کی یہ فطری موسیقی انسانی ذہن کو آواز اور سُر سنگیت کا ابتدائی شعور دیتی ہے جو آگے بڑھتا ہوا ساز و آواز کی دنیا بساتا چلا جاتا ہے۔موسیقی کے حوالے سے ابتدائی نمونہ

بیان کرنے سے قبل خود موسیقی پر کچھ بات کی جائے۔ مرزا احسان احمد لکھتے ہیں:

''قدرت نے ہر شے اور ہر وجود اور ہر مادہ میں سُر اور باجہ کی قوت پیدا کر رکھی ہے۔ ہر چیز، ہر شے ہر وجود ضربات سے آواز دیتا ہے اور وہ آواز کوئی نہ کوئی رنگ لیے ہوتی ہے، ایک لکڑی کا کندا بجا کر دیکھو اوس میں سے بھی کوئی نہ کوئی آواز نکلے گی اور اس میں بھی کوئی جذب اور کوئی اثر ہوگا۔ چاہے وہ اثر دل کش اور دل ربا ہو اور چاہے کرخت اور دل خراش۔''(۲۲)

''ساز و آواز کے حوالے سے قدیم ترین ساز ڈھول تصور کیا جاتا ہے 6000 قبل مسیح میں موراویا میں ڈھول کے ذریعے موسیقی کی ابتدا ہوئی۔''(۲۳)

''بانسری اور بربط مصر میں 4000 قبل مسیح میں بنائے اور بجائے گئے۔''(۲۴)

برصغیر کی موسیقی کو خرم سہیل اپنے مضمون ''سُر کتھا'' میں تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو سہ ماہی فنون کے شمارہ نمبر ۱۳۷ میں موجود ہے۔

فنِ تعمیر:

فنِ تعمیر کے حوالے سے ذوالفقار ارشد گیلانی لکھتے ہیں:

''انسان نے خوبصورت لکڑی، چونے کے پتھروں اور جانوروں کی ہڈیوں سے اپنے لیے مکان بنانے شروع کیے۔ ان مکانوں کی بعض باقیات جمہوریہ چیک میں ڈولنی ویسٹونیس سے ملی ہیں جن کے بارے میں خیال ہے کہ یہ 30 ہزار قبل مسیح سے 25 ہزار قبل مسیح کے درمیان بنائے گئے۔''(۲۵)

''قدیم ترین تعمیری باقیات اہراموں کی صورت میں اب تک موجود ہیں ان میں سب سے اہم خوفو کا اہرام ہے جو 2550 قبل مسیح کے لگ بھگ مکمل ہوا اور زیادہ شکست و ریخت کا شکار نہیں ہوا۔'' اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس اہرام میں استعمال ہونے والے پتھر کے بلاکس کی مجموعی تعداد 23 لاکھ ہے۔ ان پتھروں کا اوسط وزن ڈھائی ٹن کے قریب ہے جبکہ بعض پتھر 15 ٹن تک وزنی ہیں۔ اس کی اطراف کی لمبائی 230 میٹر ہے اس ڈھانچے کی مجموعی اونچائی 146.6 میٹر (481 فٹ) تھی لیکن اب یہ قدرے کم ہوگئی ہے۔''(۲۶)

قریباً 13 ایکڑ رقبے میں پھیلا ہوا یہ قدیم تعمیراتی نمونہ دنیا کے قدیم عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے۔

سنگ تراشی (مجسمہ سازی):

عام خیال یہ ہے کہ سنگ تراشی کی بنیاد فنِ تعمیر کے بعد پڑی، تاہم اگر انہیں ہم عصر قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ غاروں کا کھودنا بیک وقت فنِ تعمیر اور فنِ سنگ تراشی کی ابتدا تھا تاہم پتھر کو آرائشی صورت دینے اور مجسموں کی صورت ڈھالنے کا کام یقیناً فنِ تعمیر جتنا قدیم نہیں۔ فنِ سنگ تراشی کی بنیاد کیوں پڑی کا جواب دیتے ہوئے مرزا سلطان احمد کے

خیال میں اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں:

1- بہ خیال یادگار

2- بہ خیال بت پرستی

یہی بڑے دو موجبات تھے جن کی بدولت دنیا میں سنگ تراشی کی بنیاد پڑی۔ جن قوموں میں یہ احساس زیادہ تر پائے جاتے ہیں ان ہی میں سنگ تراشی نے کمال حاصل کیا ہے۔ یونانیوں، روسیوں، ہندیوں اور مصریوں میں چونکہ ان خیالات کا زور تھا اس واسطے ان ہی کی گود میں اس فن نے پرورش پائی (۲۷)۔ شعوری طور پر سنگ تراشی کو اختیار کرنے سے پیشتر پہلے سے قدرتی طور پر پائے جانے والے مختلف اشیا سے ملتے جلتے پتھر کے نمونے انسان نے اکٹھے کیے اور انھیں سنبھالنے کے ساتھ ساتھ اس میں حسبِ خواہش کچھ تبدیلیاں بھی کیں۔ اس بات کو اگر فنِ تعمیر سے ملا کر دیکھا جائے تو بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ جیسے قدرتی رہائش سے گزر کر انسان مصنوعی رہائش تک پہنچا بالکل اسی طرح اس نے مجسمہ سازی بھی فطرت سے سیکھی اور پھر اس میں اپنی تخلیقی صلاحیت کا پیوند لگایا۔ نفیسہ قاسمی لکھتی ہیں:

> ''محققین کے مطابق سنگ تراشی کے لیے ایک اور چیز بھی انسان کو متاثر کرنے کا سبب بنی ہو گی اور وہ ہوں گے 'قدرتی پتھر' جو کسی نہ کسی جانور سے ملتے جلتے پائے گئے ہوں گے۔ اسی مشابہت کی وجہ سے انہوں نے انسان کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی ہو گی اور ایسے پتھروں کو اپنے پاس رکھ لیا ہو گا۔ بعد ازاں اس نامکمل شبیہہ کو مکمل صورت دینے کے لیے تراش خراش کی ضرورت بھی مناسب سمجھی گئی ہو گی اور یوں سنگ تراشی وجود میں آئی۔ غاروں کی کھدائی کے دوران ایسے بھی کئی چھوٹے چھوٹے پتھر ملے ہیں کہ کسی جانور سے مشابہت رکھنے کی وجہ سے انسانوں نے انہیں ان کی اصل صورت میں ہی اپنے پاس سنبھال لیا۔ یہ قدرتی اشکال کے حامل پتھر صرف قدرتی عمل کا نتیجہ تھے۔ ان کی بناوٹ میں کسی انسان کا فنکارانہ ہاتھ شامل نہ تھا، نہ ہی ان انتہائی قدیم ترین پتھروں پر تراشے جانے کے کوئی آثار تھے۔ دراصل قابلِ قدر انسانی تخلیقی عمل تو بعد میں شروع ہوا۔'' (۲۸)

پھر جب انسان اس فن میں تخلیقی صلاحیت کے ساتھ ملوث ہوا تو اس کی بصری اور لامسی جمالیات نے فن کے نادر نمونے تخلیق کیے۔ یورپ نے اس ضمن میں سٹیچو بنانے کے فن کو اپنایا جس کا مطلب ہے یادگار کے خیال سے زندہ یا مرے ہوئے لوگوں کے مجسمے بنانا۔ فنِ مجسمہ سازی میں دو موضوعات انسان کے بہت پسندیدہ رہے ہیں ان میں ایک تو جانور ہے اور دوسرا اہم موضوع عورت ہے۔ نفیسہ قاسمی نے مذکورہ بالا مضمون میں اس پر تفصیلی اظہارِ خیال کیا ہے۔ مجسمہ سازی کے حوالے سے دیکھا جائے تو مٹی کے بت بنا کر آگ میں پکانے کا رواج بہت پہلے ہو چکا تھا۔ کاروان تہذیب (ص48) کے مطابق 27 ہزار قبل مسیح میں ڈولنی ویسٹونیس (موجودہ جمہوریہ چیک) کے باشندوں نے انسانوں اور جانوروں کے مٹی کے بت بنا کر انہیں آگ میں پکایا جو وہاں سے دریافت ہوئے ہیں۔ تاہم پتھر میں بت تراشی کی قدیم مثال میمنس نامی فرعون کی ہے جس کی شبیہہ 2850 قبل مسیح میں چٹان پر کندہ کی گئی (ص65) برصغیر میں قدیم ترین تہذیب کا علاقہ جسے وادی سندھ کہتے ہیں، میں خوبصورت مورتیاں بنانے کا آغاز 2500 قبل مسیح میں ہوا اور یہ نفیس پتھروں میں تراشی جاتی تھیں (۲۹)۔

جہاں تک اس فن کو فیشن کے طور پر اپنانے اور عام انسانی مجسمے بنانے کا تعلق ہے اس کا آغاز ایک خاص معاشرتی تبدیلی اور رجحان سے ہوتا ہے جب معاشرے میں انسان کو کچھ اہمیت ملنے لگی اور انسانی کارنامے زبان زد عام ہو کر معاشرے میں پھیلنے لگے تو نام ونمود کے طالب ذی حشم انسانوں نے مختلف فنون سے وابستہ لوگوں کی سر پرستی کر کے اپنے کارناموں کے ذریعے خود کو معروف اور محفوظ کرنا شروع کیا۔ تاہم اس کا ایک اور فائدہ فنون بالخصوص مصوری اور مجسمہ سازی کو ہوا کہ ان فنون کے روایت سے ہٹ کر نئے زاویے تلاش کیے گئے اور انسان کی خوبصورتی موضوع بننے لگی۔ ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

''اس رجحان کی وجہ سے دولت مند تاجروں نے مصوروں، مجسمہ سازوں اور ادیبوں اور شاعروں کی سر پرستی کی۔ مصوری اور مجسمہ سازی کے فنون نے فطرت اور انسان میں خوبصورتی کو تلاش کرنا شروع کیا اور اس کے اثر سے توازن، پیمائش، زاویے اور روشنی کے اثرات ان فنون میں آئے۔''(۳۰)

مونالیزا کی تصویر جو لیونارڈو دونچی کا شاہ کار ہے ایک تاجر کی بیوی کی تصویر ہے جس کے بنوانے میں یقیناً یہی بقا اور اہمیت کا جذبہ کارفرما رہا ہوگا۔

فن کا تخلیقی رشتہ:

فنون کی ابتدا کو دیکھا جائے تو انسانی ذہن میں کسی نادر خیال کا اچانک آ جانا بیان کیا جاتا ہے اور اس کے ڈانڈے کشفی کیفیت سے ملائے جاتے ہیں۔ شاعری کو پیغمبری جیسی کیفیت قرار دیا جاتا ہے غالب کہتے ہیں:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

لیکن تھوڑا سا غور کیا جائے تو کھلتا ہے کہ ذہن میں آنے والا کوئی خیال بھی Baseless نہیں ہوتا اس کی بنیاد میں پہلے سے موجود کوئی بہت معمولی بات ہو سکتی ہے عین ممکن ہے کہ وہ شعور سے اتر کر تحت الشعور میں کہیں بیٹھی ہوئی ہو، فن کار کو یاد بھی نہ ہو کہ اس نے اسے کب دیکھا یا محسوس کیا تاہم شعور میں اُترنے والی کوئی چیز یا بات رائیگاں نہیں جاتی وہ محو ہوتے ہوتے بھی اپنا کچھ اثر وہاں چھوڑ جاتی ہے اور وہی اثر کبھی فن کار کے ارفع تخیل کے گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہے۔ یہ تو انفرادی شعور کی بات ہے اسی طرح کسی قوم، علاقے، ملک، مذہب، براعظم یا یہاں تک کہ پوری دنیا کے انسانوں کا ایک اجتماعی شعور بھی ہے۔ جس پر انفرادی شعور کی عمارت ٹکی ہوئی ہے یہ اجتماعی شعور عام طور پر محسوس نہیں کیا جاتا تاہم اس کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ Langue اور Parol کا نظریہ جیسے اور بہت سی چیزوں کو سمجھنے کے حوالے سے معاون ہے اسی طرح اسے انفرادی شعور اور اجتماعی شعور کو سمجھنے کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

فن کار کا تخیل چونکہ ارفعیت اور گہرائی ہر دو اعتبار سے ایک عام انسان سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کی گرفت میں آنے والے خیالات عام انسانی ذہن سے ارفع اور گہرے ہوتے ہیں اس خیال کو تھرتھراہٹ قرار دیا جائے تو فنکار کے تخیل کی لہریں زیادہ دور تک جاتی ہیں۔ اسی لیے یہ خیال پیغمبری یا کشف، الہام، نوائے سروش وغیرہ قرار دیے گئے۔ افلاطون نے بھی جو یہ کہا تھا کہ شاعر پر شاعری کی دیوی کا سایہ ہوتا ہے تو وہ اسی بنیاد پر تھا، تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ یہ

پروازِ تخیل کا فرق ہے جو عموماً پیدائشی ہوتا ہے اور اخذ و اکتساب اس میں مزید چمتکار پیدا کر دیتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی فن پارے کا تعلق فن کار کے انفرادی شعور اور معاشرے کے اجتماعی شعور سے ہوتا ہے۔

جس طرح انسانی زندگی ارتقا کی ایک مسلسل داستان ہے اسی طرح انسانی تخیل بھی ارتقائی اعتبار سے افقی اور عمودی دونوں اطراف مسلسل محوِ سفر ہے۔ اس لیے ہر نیا خیال اس ارتقائی سفر کا ایک سنگِ میل ہوتا ہے۔ اگر فن کار اس فطری ارتقا سے جان بوجھ کر اعراض کرتا ہے اور ماضی سے چمٹنے کو بہتر جانتا ہے تو فنی ارتقا رک جاتا ہے۔ گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف دوڑانے والے اس ارتقائی سفر سے محروم ہو کر اپنی قوم کے اجتماعی شعور میں ثبات و قیام یا بعض اوقات پسپائی کا سبب بنتے ہیں۔ روایت کا گہرا شعور رکھنے والے علامہ اقبال بھی یہ لکھے بنا نہ رہ سکے:

آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

صاحبزادہ عبدالرسول لکھتے ہیں:

''جب فن اپنی تخلیقی تحریک ماضی سے حاصل کرنا شروع کر دے تو وہ بے جان ہو جاتا ہے۔''**(۳۱)**

انسانی شعور کو ارتقا سے منسوب کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ماضی سے بھی رشتہ نہیں توڑتا اور مستقبل کی طرف بھی سفر کرتا ہے۔ یوں روایت کا متحرک تصور اس ارتقا میں ہمہ وقت موجود رہتا ہے تاہم ہر روایت اپنی توانائی کے اعتبار سے طبعی زندگی پوری ہونے کے بعد رخصت ہو جاتی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے برف میں چلنے کے لیے لمبے لمبے بانس استعمال کیے جاتے ہیں مبادا برف کی کسی دراڑ میں گر پڑیں۔ یہ بانس جتنا انسان سے آگے ہوتا ہے اُتنا ہی پیچھے بھی ہوتا ہے تاہم آگے بڑھنے کے عمل میں یہ مسلسل پیچھے سے منقطع ہوتا جاتا ہے اور آگے سے اپنا تعلق بڑھاتا چلا جاتا ہے اور یوں سفر جاری رہتا ہے۔ انسان کا تہذیب اور فنون سے یہی رشتہ تخلیقی کہلاتا ہے اور یہ ایک فطری رفتار سے کبھی سست کبھی تیز ارتقا پذیر رہتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ارون ایڈمن، فنون لطیفہ اور انسان، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۶ء)، (مترجم، سید عابد علی عابد)، ص ۶۱

۲۔ محمد ہادی حسین، کلچر اور فنون لطیفہ، مشمولہ: کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، (لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۷ء)، مرتبہ، اشتیاق احمد، ص ۲۹۸

۳۔ علی عباس جلالپوری، خردنامہ جلالپوری، (لاہور: تخلیقات، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۷

۴۔ فنون لطیفہ اور انسان، ص ۵۶

۵۔ ایضاً، ص ۵۹

۶۔ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، ص ۲۹۸

۷۔ فنون لطیفہ اور انسان، ص ۵۰

۸۔ جمیل جالبی، ارسطو سے ایلیٹ تک، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۹

۹۔ ایضاً، ص ۲۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۷

۱۱، ۱۲۔ فنون لطیفہ اور انسان، ص ۵۳

۱۳۔ محمد ہادی حسین، کلچر اور فنون لطیفہ، مشمولہ: کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، ص ۳۰۵

۱۴۔ فنون لطیفہ اور انسان، ص ۲۹

۱۵۔ صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخِ تہذیب انسانی (اول)، (سرگودھا: یونیورسٹی آف سرگودھا، ۲۰۱۱ء)، ص ۵۲

۱۶۔ محمد ہادی حسین، کلچر اور فنون لطیفہ، مشمولہ: کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، ص ۲۹۸

۱۷۔ نفیسہ قاسمی، رگِ سنگ، مشمولہ: سہ ماہی فنون، شمارہ ۱۳۵، ص ۴۹۱

۱۸۔ ذوالفقار ارشد گیلانی، کاروانِ تہذیب، ص ۴۷

۱۹۔ ایضاً، ص ۴۸

۲۰۔ ایضاً، ص ۵۱۔۵۳

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۷

۲۲۔ مرزا احسان احمد، فنون لطیفہ، ص ۱۳۳۔۱۳۴

۲۳۔ کاروانِ تہذیب، ص ۵۲

۲۴۔ ایضاً،ص۵۴

۲۵۔ ایضاً،ص۴۸

۲۶۔ ایضاً ص۶۹

۲۷۔ فنون لطیفہ، ص۱۹۹

۲۸۔ فنون،شمارہ۱۳۶،ص۴۴۵

۲۹۔ کاروانِ تہذیب،ص۲۷

۳۰۔ مبارک علی،تاریخ اور مذہبی تحریکیں،(لاہور: تاریخ پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء)،ص۱۲۰

۳۱۔ صاحبزادہ عبدالرسول،تاریخِ تہذیب انسانی (سوم)،(سرگودھا: یونیورسٹی آف سرگودھا، جون ۲۰۱۱ء)،ص۲۲۶